خاکہ "پروفیسر روبینہ شاہین" از مشتاق احمد یوسفی کا جائزہ

Character Sketch of Prof. Robina Shaheen by Mushtaq Ahmad Yousafi

جمیل الروف* / ڈاکٹر تحسین بی بی**

Abstract:

Among so many sketch writers in Urdu literature, Mushtaq Ahmad Yousafi has bearing his own style. With special reference of Urdu literature he is the founder of comic cum critical school of writing. His Pen portraits bear variant traits and qualities and include matchless comic, personal and psychological sketches writing.

This Research Paper is attempt to prove that as a Portrait writer, he is an experienced writer. He has taken a detailed account of all the elements of sketch writing which includes appearance, important and representative events connected with the persona of the Pen portrait, unveiling internal and external actions.

Mushtaq Ahmad Yousafi has resorted to employ comic and satirical devices to make his character sketches interesting to the readers. These devices include humor of situation, prose as well as poetical parody, anecdotes and borrowing vocabulary besides code switching, which help the readers to create of sense of attachment with the writer.

مشتاق احمد یوسفی کے لکھے ہوئے خاکوں میں جہاں دیگر شخصی کردار پوری آب و تاب کے ساتھ اپنا جلوہ

*پی ایچ ڈی اردو ریسرچ اسکالر، شعبہ لسانیات وادبیات، قرطبہ یونی ورسٹی پشاور

**ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ لسانیات وادبیات، قرطبہ یونی ورسٹی، پشاور

دکھا رہے ہیں وہاں ان کے ہاں زنانہ کردار بھی موجود ہیں۔ اور کیوں نہ ہوں کہ مشتاق احمد یوسفی جیسا حساس شخص بھلا اس کائنات میں رنگ بکھیرنے والی عورت ذات کو کیسے نظر انداز کر سکتا تھا۔ ان کے ہاں اکثر زنانہ خاکے قدرے مختصر ہیں۔ ان خاکوں میں ایک خاکہ انہوں نے پروفیسر ڈاکٹر روبینہ شاہین کا بھی لکھا ہے جو ان کے لکھے ہوئے اکثر زنانہ خاکوں کی طرح مختصر نہیں بلکہ قدرے طویل ہے۔ یہ خاکہ بھی فنِ خاکہ نگاری کے لوازمات پر پورا اترتا ہے۔ اس خاکے کو پڑھ کر قارئین بآسانی پروفیسر ڈاکٹر روبینہ شاہین کی شخصیت سے وقف ہو جاتے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر روبینہ شاہین کا شمار خاکہ نگار مشتاق احمد یوسفی کے حلقہ معتقدین میں ہوتا ہے۔ ڈاکٹر روبینہ شاہین پشاور یونیورسٹی کے شعبہ اُردو میں عرصہ دراز سے تدریس کے فرائض انجام دے رہی ہیں۔ وہ "یوسفی شناسی" میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتی ہیں۔ مشتاق احمد یوسفی نے ڈاکٹر روبینہ کی طبیعت اور خیر خیریّت دریافت کرنے کے لیے اُن کے گھر فون کیا تو اُن کے شریکِ حیات پروفیسر شاہ جہان صاحب (ایڈورڈ کالج پشاور) نے انہیں بتایا کہ اِس وقت یہاں دُھواں دھار بارش برس رہی ہے اور میڈم روبینہ اُوپر چھت پر بارش میں نہا رہی ہیں۔ خاکہ نگار نے استفسار کیا کہ آخر چھت پر ہی کیوں؟، کیا آپ کے ہاں نہانے کے لیے چھت کے علاوہ کوئی اور مناسب اور معقول انتظام نہیں ہے؟، تو خاکہ نگار کو اِس سوال کا جواب پروفیسر شاہ جہان صاحب نے ہنستے ہوئے یوں دیا:

> "چوبیس گھنٹوں میں جتنی بار بارش ہو، اُتنی ہی دفعہ اپنا بھینس، پتیلی پر سے اُپھنتا ہوا دُودھ، گولڈ فش، چہیتے Love Bird (ننھی منّی رنگ برنگی چڑیاں) اور مجھے چھوڑ کر اُوپر نہانے چلی جاتی ہیں۔۔۔ دن ہو یا رات، وہ چھت پر وہی لباس، مع سینڈلز پہن کر غسل کرتی ہیں جسے زیبِ تن کر کے یونیورسٹی جاتی ہیں۔۔۔"(۱)

بعد ازاں جب خاکہ نگار کی خُود ڈاکٹر روبینہ شاہین سے بات ہوئی اور اُن سے موسلا دھار بارش میں اُوپر چھت پر جانے کی وجہ پُوچھی تو اُنھیں یوں جواب ملا:

> "تنک کر بولیں! گویا آپ کو معلوم نہیں، چھت پر شریف گھرانوں کی بہو بیٹیاں کاہے کو جاتی ہیں۔"(۲)

مشتاق احمد یوسفی اپنے خاکوں کے کرداروں کی ہر دو یعنی ظاہری اور باطنی تصاویر کی عکاسی کرتے ہیں جو کہ ایک اچھے خاکہ نگار کا وصف ہے۔ انہوں نے اسی سے پروفیسر ڈاکٹر روبینہ شاہین کا جیتا جاگتا مرقع پیش کیا ہے۔ اس ذیل میں بات کرتے ہوئے رضوانہ یوسف یوں کہتی ہیں:

> "یوسفی صاحب انسان کی شخصیت کو ایک اکائی کی صورت میں دیکھتے ہیں، جس میں اچھے اور برے دونوں طرح کے اوصاف ایک ساتھ موجود ہیں۔"(۳)

مشتاق احمد یوسفی کے بقول اُنہوں نے ڈاکٹر روبینہ کو اپنے کسی شاگرد یا اپنے خاوند کے کان لپیٹتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا لیکن وہ یہ کام "کتاب" کے ساتھ ضرور کرتی ہیں۔ اُنھیں جہاں جہاں خاکہ نگار کی تخلیق کردہ کُتب میں طرزِ نگارش واشگاف یا کُھلا ڈلا لگے تو وہ اُس گستاخ صفحے کا کان یعنی کونا مروڑ دیا کرتی ہیں، لہٰذا اِس ضمن میں اُس نے کتاب "زَرگزشت" کے تمام صفحوں کے کان مروڑ دیے ہیں۔ اُن میں بعض صفحے تو ایسے بھی ہیں جن کا نہ صرف اُوپر والا کان بلکہ نیچے والا کان بھی تادیباً مروڑ دیا ہے۔ خاکہ نگار اِس ضمن میں مزید وضاحت کرتے ہوئے یوں مزے سے رقم طراز ہیں:

> "کراچی اور پشاور کے دَرمیان ایک ہزار میل کا فاصلہ ہے اور میڈم کے دستِ سبق آموز کی لمبائی زیادہ سے زیادہ "۳۰" انچ ہو گی، ورنہ اُن سے بعید نہ تھا کہ یہ سلوک تصنیف کی بجائے صاحبِ تصنیف کے ساتھ کرتیں، تاکہ بقیہ مصنفین بھی کان اور عبرت پکڑیں۔۔۔"(۴)

مشتاق احمد یوسفی کے مطابق دورانِ گفت گو روبینہ شاہین اُن کے طنزیہ و مزاحیہ فقروں پر قرأت اور مَردانہ کھرج کے ساتھ "سبحان اللہ سبحان اللہ" کہتی ہیں لیکن فوراً دُوسری ہی سانس میں اُسی فقرے پر "استغفر اللہ" بھی کہہ دیتی ہیں۔ خاکہ نگار نے تکلّف بالائے طاق رکھتے ہوئے اُن سے دریافت کیا کہ آپ اِس ضمن میں کنفیوز کیوں ہیں؟۔ یک سُو ہو کر یا کھلم کھلا داد دیجیے، یا پھر "لاحول" پڑھ لیجیے۔ تو اِس سلسلے میں ڈاکٹر روبینہ نے خاکہ نگار کو بے ساختہ یوں جواب دیا:

> "بے ساختہ داد دینا میرے ذوقِ سلیم اور مجلسی آداب کا تقاضا ہے، پھر اُسی پر لاحول پڑھنا میری تربیّت اور تدریسی فرائض کا تقاضا ہے۔۔۔"(۵)

خاکہ نگار مشتاق احمد یوسفی کے مطابق اُن کا: ۱۹۵۳ء کے آس پاس پشاور آنا جانا رہا، پھر اِس کے بعد تقریباً نصف صدی تک یہ آنے جانے کا سلسلہ منقطع رہا، لیکن جب ماضی کی یادوں اور دوست احباب اور معتقدین کے دعوت ناموں نے شدّت اختیار کر لی تو آخر اُنھیں پشاور آنا ہی پڑا، اور پھر خوش قسمتی سے ڈاکٹر روبینہ شاہین کو ہی یہ شرف حاصل ہوا کہ خاکہ نگار اُن ہی کے مہمان بنے۔ خاکہ نگار نے ان سے پشاور شہر میں واقع معروف جگہوں میں "چوک یادگار" اور "قصّہ خوانی" بازار دکھانے کی خواہش کا اظہار کیا، کیوں کہ یہ جگہیں ۱۹۵۳ کے آس پاس یعنی نصف صدی قبل خاکہ نگار دیکھ چکے تھے اور اُن کے دِل پر منقّش ہو گئی تھیں۔ اب وہ اِن جگہوں کو پھر سے دیکھنے کے متمنی تھے، لیکن وہاں پہنچ کر اُن کو اُس حلوائی کی دُکان نظر نہ آئی جہاں سے وہ شتر مُرغ کے انڈے کے برابر کالی گلاب جامن لے کر کراچی لے گئے تھے۔ اُنھیں قصّہ خوانی بازار میں اُس حلوائی کی دُکان بھی نظر نہیں آئی جس کی

"پوری" کراچی کے "پراٹھے" کے برابر ہوتی تھیں، البتہ وہ اُس جگہ کو ڈھونڈنے اور پہچاننے میں کامیاب ہو گئے جہاں سے وہ نصف صدی قبل کُھسّے (دیسی۔ سلیم شاہی سے ملتے جلتے جُوتے) خریدتے تھے۔ جب ڈاکٹر روبینہ اپنے مہمان کو پشاور کے مشہور بازار "بازارِ دل گراں" دکھانے لے گئیں تو خاکہ نگار نے اِس بازار کے نام پر تعجّب کا اظہار کیا کہ "پٹھان" تو "دال" کھاتے ہی نہیں تو پھر ایک بھرے پھرے بازار کا نام کیوں رکھ دیا ہے؟، تو میزبان نے اُنھیں یوں جواب دیا:

"اِس کا نام اصل میں "بازارِ دِل گراں" ہے۔ میں نے بے ادبی سے بچنے کے لیے "د" اور "ل" کے بیچ میں "الف" کی پیچّر لگا کے "دال" بنادیا ہے۔۔۔"(۶)

خاکہ نگار مشتاق احمد یوسفی نے پشاور کا معروف بازار "بازارِ مِس گراں" بھی دیکھا، جس پر میزبان ڈاکٹر روبینہ نے فوراً کہا کہ "مِس" کا مطلب وہ نہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں بلکہ کچھ اور ہے۔ نیز جب میزبان اور مہمان پشاور کے معروف، مصروف اور کاروباری علاقے "سکندر پورہ" پہنچے تو ڈاکٹر روبینہ شاہین نے مہمان سے بازار کا تعارف کراتے ہوئے اُن پر یوں چوٹ کی:

"یہ آپ کی دِل چسپی کی جگہ ہے، سکندر پورہ۔ یہاں آپ کے تمام امراض، یعنی ہر مَرض کی دَوا ملتی ہے۔۔۔"(۷)

خاکہ نگار مشتاق احمد یوسفی کو شہر پشاور کی سیر کے دَوران وہ مسجد نظر نہیں آئی جس کی دیوار پر "عُرفی" کا شعر اور اُس کی شرح خُوب صُورت خطاطی میں تحریر کی گئی تھی۔ اُنھیں کتابوں کی وہ دُکان بھی نظر نہیں آئی جہاں سے اُس نے نصف صدی قبل اتنی ڈھیر ساری کتابیں خریدی تھیں کہ اُن کے جیب میں صرف ڈھائی رُوپے بچ گئے تھے۔ خاکہ نگار نے اپنے میزبان سے فرمائش کی اُنھیں پشاور کا معروف ہوٹل "ڈینز ہوٹل" دکھایا جائے، کیوں کہ جُگ بیت گئے وہاں کے "کیبرے" (CABARET) نہیں دیکھا تو اُنھیں میزبان روبینہ شاہین کی طرف سے یوں غیر متوقّع اور مایوس کن جواب ملا:

"اب وہاں کوئی کیبرے شیبرے نہیں ہوتا۔ یہ سب جیب اور پیٹ بھرے لوگوں کے چاؤ چونچلے ہیں۔ اب وہاں شریفانہ محفلیں، سنجیدہ FUNCTIONS اور سیمینار ہوتے ہیں۔۔۔"(۸)

خاکہ نگار کو پشاور کی سیر کے دوران وہ دُکان بھی نظر نہیں آئی جس کے جوان، انتہائی ذہین اور پوٹھوہاری مالک کے ساتھ اُن کے تعلقات بینکر اور کسٹمر کے دائرے سے نکل کر بہت جلد دوستی کے رشتے میں بدل گئے تھے۔ یہ پوٹھوہاری جوان ایک پردہ نشین پٹھان لڑکی کی محبت میں گلے گلے ڈُوبا ہوا تھا۔ خاکہ نگار مشتاق احمد یوسفی نے اِس

پوٹھوہاری نوجوان کے عشق اور اُس کے نتیجے میں اُن کے داخلی جذبات و کیفیات کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے ہوئے رقم طراز ہیں:

"انگریزی میں شاعری کرتا تھا، مگر سوچتا اُردو میں اور محسوس پوٹھوہاری میں کرتا تھا۔ ہر نظم کی مخاطب اور موضوع وہی لڑکی ہوتی تھی۔۔۔"(۹)

خاکہ نگار مشتاق احمد یوسفی سے ڈاکٹر روبینہ شاہین نے قدیم اور جدید پشاور شہر میں فرق پر کچھ اظہارِ خیال کرنے کا کہا تو انہوں نے قدیم پشاور سے متعلق یوں کہا:

"۱۹۵۴ میں، میں نے پشاور میں کسی عورت کو بغیر برقعے کے اور مرد کو بندوق اور کارتوسوں کی پیٹی کے بغیر نہیں دیکھا۔ داؤد خان محسود کہتا تھا کہ مونچھ، بندوق، ٹھیک نشانہ، ٹھیک ٹھاک شجرہ، کڑیل بیٹے اور قد کاٹھ کے بغیر اللہ بھی بندے کو عزت، عافیت اور غیرت نہیں بخشتا۔۔۔"(۱۰)

خاکہ نگار مشتاق احمد یوسفی اور ڈاکٹر روبینہ شاہین کے مابین پہلی باقاعدہ ملاقات:۱۹۹۶ء میں ہوئی۔ خاکہ نگار کو پہلی ہی نظر دیکھنے کے بعد روبینہ شاہین ایسے کِھل کِھلا کے ہنسی تھیں کہ بقول خاکہ نگار اُنھیں اپنی شکل و صُورت کے بارے میں طرح طرح کے شکوک و شبہات ہونے لگے تھے۔ خاکہ نگار کو بعد میں پتہ چلا کہ ڈاکٹر صاحبہ ہنسی کو چھینک کا درجہ دیتی ہیں۔ وہ ہنسی کو کبھی روکنے یا خواہ مخواہ باادب باملاحظہ اور مختصر کرنے کی سعی نہیں کرتیں۔ وہ بات بے بات ہنستی رہتی ہیں، لہٰذا کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اپنی گھنگھرالی ہنسی کو وقفہ تفکّر کے طور پر استعمال کرتی ہیں، لیکن یہ بات بھی بالکل صاف ہے کہ اُن کی ہنسی طنز اور استہزا سے مُبرّا ہے۔ خاکہ نگار اِس ضمن میں ڈاکٹر روبینہ کی ہنسی کے متعلّق مزید یوں رقم طراز ہیں:

"ایسی ہنسی میں کنوارپنے کی بے ساختہ کِھلکھلاہٹ اور جوانی زور دکھاتی ہیں جو شفاف اور خالص ہنسی کی پہچان ہے۔ یہ سنگلاخ چٹان کی دراڑ سے جھانکتی ہوئی کونپل کی طرح پھوٹتی ہے، اِس کی محرّک نہ کوئی مضحک صورتِ حال ہے نہ ہدف۔۔۔"(۱۱)

پروفیسر ڈاکٹر روبینہ شاہین کا خاکہ ڈاکٹر ظہور احمد اعوان نے بھی لکھا ہے اور بڑا جان دار لکھا ہے، جس میں اُنھیں "آنسوؤں کی شہزادی"، اور "گڑیا" وغیرہ جیسے صفاتی ناموں سے نوازا گیا ہے۔ مشتاق احمد یوسفی اِس ضمن میں ڈاکٹر ظہور احمد اعوان سے متّفق ہو کر کہتے ہیں کہ روبینہ شاہین واقعی گڑیا ہی کی طرح خُوب صُورت، کامنی، سجی سجائی، معصوم اور بے ضرر ہے۔ انکی شخصیّت سے متعلّق خاکہ نگار مزید یوں رقم طراز ہیں:

"یہ گڑیا کسی اور ہی خمیر اور مادے سے بنی ہے۔ نہ کسی سے ڈرتی ہے نہ رعب میں آتی ہے۔ بوٹا سے قد کی یہ پٹھانی جو ایم فل اور پی ایچ ڈی کی کلاس لیتی ہے اور صُورت سے فرسٹ ائر کی ہونہار طالب علم لگتی ہے، بڑے بڑوں سے پنگا لینے سے ذرا نہیں جھجکتی۔۔۔"(۱۲)

خاکہ نگار کے مطابق روبینہ شاہین اگرچہ کسی سے نہیں ڈرتی، سوائے "چھپکلی" کے۔ چھپکلی دیکھ کر اُن کی جان ہی نکل جاتی ہے۔ چھپکلی دیکھتے ہی اپنے خاوند پروفیسر شاہ جہان صاحب کو فوراً فون کر کے کہتی ہیں کہ جلد اَز جلد ایک جان لینے اور دُوسری جان کو بچانے کے لیے پہنچ جاؤ۔ خاکہ نگار نے اِس خاکہ میں خاکہ نگاری کے بنیادی تکنیک میں شامل "حلیہ نگاری" سے کام لیتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر روبینہ شاہین کی ظاہری شکل وصُورت اور خدوخال اِن الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> "گوری چمک دار بل بل کرتی رنگت اور جلد، روشن آنکھیں، چہرہ کُھلی کتاب، حد درجہ حساس اور ہر جذبہ کی جلی تحریر کا آئینہ دار، پل پل میں رنگ بدلتا رنگ، گلابی عنابی تک منزلیں طے کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے حُسنِ صُورت کے ساتھ اُسے حد سے زیادہ حُسنِ سیرت بھی عطا کر رکھا ہے۔۔۔ اُسے دیکھ کر "نسوانی" سے زیادہ "ملکوتی" تقدّس کا تصوّر جاگتا ہے۔ اُسے دیکھتے ہی ایک اچھے انسان کا خیال آتا ہے۔ جنس و جسم، ذات و شخصیّت سے بلند وارفع۔ اُسے دیکھ کر مجھے خیال آتا ہے کہ میں کسی بھلائی اور نیکی کو مجسّم دیکھ رہا ہوں۔۔۔"(۱۳)

خاکہ نگار مشتاق احمد یوسفی کے مطابق کتابیں، کپڑے، جُوتے اور پرس خریدنے سے روبینہ شاہین کا جی کسی طرح نہیں بھرتا۔ اُن کی خُوش لباسی اور جامہ زیبی کے چرچے ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ دوپٹہ ایک خاص انداز سے سر کے اُوپر "۸" کی شکل میں ڈالتی ہیں۔ نیز روبینہ شاہین کا شمار اُن معدودے چند خواتین میں ہوتا ہے جو کھانا بڑے شوق اور اہتمام سے پکاتی اور کھلا کر خُوش ہوتی ہیں۔ اُنھیں کوئی ڈھنگ سے داد دے تو اُن کو دوبارہ اور سہ بارہ بھی کھلا دیتی ہیں۔

خاکہ نگار مشتاق احمد یوسفی مزید رقم طراز ہیں کہ جو خواتین کھانا پکانے، ریندھنے، آٹا گوندھنے، پیاز کترنے، لہسن چھیلنے اور چُولھا جھونکنے کو بیگار اور سزائے زوجیّت سمجھتی ہیں تو قدرت اُن خواتین ہاتھ سے لذّت اور برکت دونوں خُوبیاں چھین لیتی ہیں۔ لیکن اِس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے روبینہ شاہین کے ہاتھ میں بڑی لذّت رکھ دی ہے۔ خُدا نے اُنھیں پکانے اور کِھلانے کا ایسا ملکہ دیا ہے جو بہت کم خواتین کے حصّے میں آیا ہے۔ اُن کا کھانا پکانے اور کِھلانے کے ساتھ ساتھ "ادبی" شغل بھی جاری رہتا ہے، مثلاً ایک مرتبہ خاکہ نگار نے اُنھیں بتایا کہ جس کڑھی میں پُھلکیاں نہ ہوں اُسے "رانڈ کڑھی" کہتے ہیں۔ یہ سن کر رانڈاپے کی اِس اطلاقی صُورت سے ڈاکٹر روبینہ شاہین بہت محظوظ ہوئیں، اور کچھ عرصہ بعد ڈاکٹر روبینہ جب بہن سے ملنے کراچی چلی گئی تو وہاں کڑھی بنا کر خاکہ نگار کے گھر بھجوائی اور لفظ "رانڈ کڑھی" کے جواب میں اُس کڑھی کے ساتھ یہ رقعہ آویزاں کر دیا:

> "سہاگن کڑھی کے ہم راہ اُس کے بارہ عدد غیر منکوحی سر تاج بھی علیحدہ ڈبّے میں پیشِ خدمت ہیں،

(اشارہ گرم پکوڑوں کی طرف تھا)۔۔۔"(۱۴)

خاکہ نگار نے ایک موقع پر روبینہ شاہین کو بتایا کہ اگلے وقتوں میں لکھنؤ کے شرفا کا دستور تھا کہ دعوت میں پیدل جاتے تو ایک دونے میں بالائی ساتھ لے جاتے تھے تاکہ زَردے پر تہہ جما کر کھائیں۔ ڈاکٹر روبینہ شاہین نے اِسے میزبان کی کھلی توہین قرار دیا، لیکن ساتھ کچھ دنوں کے بعد خاکہ نگار کو زَردہ بھیجوا کر اُن کے ساتھ درج ذیل رقعہ روانہ کر دیا:

"یہ زَردہ خُود پکایا ہے، گزارش ہے کہ حسبِ دستور شرفائے قدیم ذرا برنس روڈ پیدل جا کر اِس کا کام چلاؤ دونے میں بالائی لے آیئے گا۔۔۔ مکرّر آنکہ واپسی میں ہاتھ میں دونا لیے کسی پٹھان بستی سے نہ گزریے گا۔ بصدِ ادب احتیاطاً وانتباہاً عرض ہے۔۔۔"(۱۵)

خاکہ نگار کے مطابق روبینہ شاہین صوم و صلوٰۃ کی نہایت پابند ہیں۔ اِس کے علاوہ نوافل اور سَنّتی روزے بھی بہت زیادہ اور شوق سے رکھتی ہیں۔ لیکن دُوسری طرف اُن کا ذوق و شوق اور مشاغل قدرے مختلف ہیں۔ اِس ضمن میں خاکہ نگار اُن پر بڑے مزاحیہ انداز میں چوٹ کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

"روبینہ کی کھنکتی کِھل کھلاتی ہنسی، رنگ برنگے پَرس، چھپکلی سے خوف اور ممتاز مفتی سے عقیدت حائل نہ ہوتی تو ہم اُنھیں "مُلّانی" کہہ سکتے تھے۔۔۔"(۱۶)

مختصر یہ کہ خاکہ نگار مشتاق احمد یوسفی نے اِس خاکہ میں ڈاکٹر روبینہ شاہین کے کردار اور شخصیت کو کچھ اِس طرز اور شان سے اُبھارا ہے جیسے دونوں میں باہم جنم جنم کی شناسائی ہو۔ یہ خاکہ دیگر زنانہ خاکوں کے برعکس قدرے طویل ہے۔ خاکہ نگار نے اُن کی شخصیّت کی اندرون اور بیرونِ خانہ دونوں حالتوں کی تصویر پیش کرنے کی سعی کی ہے جو کہ فنِ خاکہ نگاری کا تقاضہ ہے۔ خاکہ نگار نے اِس خاکہ میں انکے کردار کو اُبھارنے میں خاکہ نگاری کی مخصوص تکنیک میں حُلیہ نگاری، مکالمہ نگاری، رعایتِ لفظی، سوانحی انداز، علامت نگاری اور بیانیہ انداز سے کام لے کر اِس کردار کو ایسا دِلچسپ اور دِلفریب بنا دیا جو قاری کے دل و دماغ پر ہمیشہ مُنقّش رہے گا۔

مشتاق احمد یوسفی کے تخلیق کردہ زنانہ خاکوں کے کرداروں کے حوالے سے اہم بات یہ ہے کہ بیشتر زنانہ کرداروں پر مبنی خاکے مختصر ہیں لیکن خاکہ نگار نے فنی اور تکنیکی لحاظ سے ایسی پختگی کا مظاہرہ کیا ہے کہ اختصار کے باوجود اُن کی جیتی جاگتی تصویریں سامنے آئی ہیں۔ نیز بیشتر زنانہ خاکوں کے کردار جنسی ناہمواریوں کے شکار ہیں لیکن اِس کے باوجود قاری کو اُن سے نفرت پیدا نہیں ہوتی جس کا سبب یہ ہے کہ خاکہ نگار نے اپنا قلم "طنز" کی بجائے "مزاح" کی روشنائی میں ڈبو کر لکھا ہے۔ لہٰذا خاکے پڑھتے ہوئے قاری حظ تو بخوبی اٹھاتا ہے لیکن اُن سے کراہت

محسوس نہیں ہوتی۔ یہ سب خاکہ نگار کا خاکہ نگاری کے بنیادی اور تکنیکی کمال سے کماحقہ واقفیت کا ثبوت ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مشتاق احمد یوسفی، شامِ شعر یاراں، لاہور: جہانگیر بکس، ۲۰۱۴ء، ص ۳۷۳

۲۔ ایضاً، ص ۳۷۳

۳۔ رضوانہ یوسف، مشتاق احمد یوسفی کے مضحک کردار، غیر مطبوعہ مقالہ ایم اے، جی سی یو فیصل آباد، ۲۰۰۸ء، ص ۱۵۶

۴۔ مشتاق احمد یوسفی، شامِ شعر یاراں، ص ۳۸۲

۵۔ ایضاً، ص ۳۸۲

۶۔ ایضاً، ص ۳۸۹

۷۔ ایضاً، ص ۳۸۹

۸۔ ایضاً، ص ۳۹۴

۹۔ ایضاً، ص ۳۹۷

۱۰۔ ایضاً، ص ۳۹۸

۱۱۔ ایضاً، ص ۴۰۲

۱۲۔ ایضاً، ص ۴۱۱۔۴۱۰

۱۳۔ ایضاً، ص ۴۱۲

۱۴۔ ایضاً، ص ۴۲۴

۱۵۔ ایضاً، ص ۴۲۷

۱۶۔ ایضاً، ص ۴۳۰